سلسلہ دائرہ حمیدیہ نمبر ۸

تفسیر

بسم اللہ

و

سورۂ فاتحہ

تالیف: استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: مولانا امین احسن اصلاحی

ناشر: دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح سرائمیر اعظم گڑھ

طبع اوّل — تعداد اشاعت — قیمت صرف ۳۸ نئے پیسے

تفسیر آیۃ اللہ

مطبوعہ کوہ نور پریس دہلی

ب

فہرست مضامین

نمبر صفحہ	مضامین	نمبر شمار

مضامین تفسیر آیۂ بسم اللہ

۵	اس آیت کی تفسیر کے لئے ایک خاص حصہ مخصوص کرنے کی وجہ	۱ -
۵	سورہ فاتحہ کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت	۲ -
۷	بسم اللہ کا مفہوم	۳ -
۱۵	اسم "اللہ" کا مفہوم	۴ -

مضامین تفسیر سورۂ فاتحہ

فصل اول۔ (پہلا رخ)

۲۵	یہ سورہ قرآن کے علوم سہ گانہ کی جامع ہے	۱ -
۲۶	یہ ہر مسلمان کے سینہ میں محفوظ ہے	۲ -
۲۸	علوم سہ گانہ کے جامع ہونے کی نوعیت	۳ -
۲۸	یہ تکمیل نماز کی سورہ ہے	۴ -

نمبر شمار	مضامین	نمبر صفحہ
	(دوسرا رُخ)	
۵-	یہ سورہ بنظم قرآن کا نمونہ ہے	۴۲
	(تیسرا رُخ)	
۶-	نماز دین کے اولین احکام میں سے ہے	۴۴
	فصل دوم	
۷-	نصاریٰ کی فاتحہ اور ہماری فاتحہ کا مقابلہ	۴۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اس آیت کی تفسیر کے لئے ایک خاص حصّہ مخصوص کرنے کی وجہ

یہ آیت بسم اللہ کی تفسیر ہے۔ جو کتابیں ہم نے اپنی تفسیر "نظام القرآن" کے لئے بطور مقدمہ لکھی ہیں، ان کے بعد ہماری اصل کتاب کا یہ پہلا حصہ ہے۔ اس عظیم آیت کی تفسیر کے لئے ہم نے اپنی تفسیر کا ایک مستقل حصہ مندرجۂ ذیل وجوہ سے خاص کیا۔

اولاً، یہ آیت نہایت عظیم الشان معارف کا خزانہ ہے۔

ثانیاً، اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر سورہ کا تاج بنایا ہے۔

ثالثاً، ہر سورہ کے ساتھ الگ الگ اس کی تفسیر موجب تکرار ہوتی۔

رابعاً، کسی جگہ اس کی تفسیر کرنا اور کسی جگہ نہ کرنا، ایک ایسی بات ہوتی جس کے لئے ہمارے پاس کوئی معقول وجہ نہیں تھی، یہ ترجیح بلا مرجح ہوتی۔

سورہ فاتحہ کے ساتھ اس کے تعلق کی نوعیت

یہ بات کہ یہ آیت سورۂ فاتحہ کا ایک جزو ہے اور دوسری سورتوں کے شروع میں زائد ہے، علماء کے درمیان مختلف فیہ ہے۔ ہمارے نزدیک صحیح رائے غالباً ان لوگوں کی ہے جو اس معاملہ میں فاتحہ اور غیر فاتحہ میں کوئی فرق نہیں کرتے، عام اس سے کہ اس کو سورہ کی آیات کے اندر شامل سمجھا جائے۔

یا ان سے خارج سمجھا جائے۔ اس صورت میں اس آیت کی حیثیت ایک اصولی بات کی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ قرآن مجید کی ایک آیت نہ ہوتی تو ہم اس پر بحث کرنے کے لئے ان مقدمات میں جگہ نکالتے جو ہم نے اصولی باتوں پر لکھے ہیں۔ کیونکہ ہماری اس کتاب کی قرار داد ترتیب یہ ہے کہ ہم نے اصولی باتوں پر علیحدہ بحث کی ہے تاکہ ضرورت کے وقت ان کے حوالہ پر اکتفا کیا جا سکے اور مباحث کی تکرار سے سلسلہ کلام میں حتی الامکان کوئی خلل واقع نہ ہو

اپنے معنی کے لحاظ سے یہ آیت نزولِ قرآن سے پہلے سے منقول چلی آتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے ملکہ سبا کو جو نامہ لکھا اس میں اس کا ذکر موجود ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (یہ سلیمان کی جانب سے ہے اور یہ خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے شروع ہے) مجوس کی کتاب "دساتیر" میں بھی یہ موجود ہے لیکن دساتیر کا اعتبار نہیں۔ یہ جعلی کتاب ہے۔ اہل نظر اس کے جعلی ہونے سے اچھی طرح واقف ہیں۔ خود مجوس میں سے بھی تھوڑے ہی لوگ اس کو مانتے ہیں۔

اس طرح کی کتنی آیتیں ہیں جو اگرچہ قرآن سے پہلے نازل ہو چکی تھیں۔ لیکن جیسا کہ سورہ فاتحہ میں معلوم ہوگا، اس بلاغت کو نہ پہنچ سکیں جس بلاغت کو وہ قرآن میں پہنچیں۔

ہمارے نزدیک بسم اللہ سورہ فاتحہ کی ایک آیت اور ہر سورہ کا فاتحہ ہے۔

قرآن کا طریقہ نزول اور پھر جس طرح وہ محفوظ ہوا، اس دعوے پر دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے[1]۔ نیز بسم اللہ کا مفہوم آغاز کلام

---

[1] حاشیہ ص۹۵ پر

پ ۱

کے لئے نہایت مناسب ہے۔ علاوہ ازیں اس کی وہ تاویل بھی جو آگے بیان ہوگی، اسکی تائید کرتی ہے۔ پھر احادیث میں وارد ہے کہ یہ فاتحہ کی ایک آیت ہے۔

بسم اللہ کا مفہوم | بسم اللہ میں ب عظمت، برکت اور سند کے مفہوموں کی طرف اشارہ کرتی ہے۔[۵]

یہ کلام خبریہ نہیں ہے بلکہ الحمد للہ کی طرح دعائیہ ہے جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا۔

اپنے نام سے شروع کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں دیدیا تھا۔ چنانچہ سورۂ اقرء میں ہے

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ — پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا

دین کی بنیاد نماز ہے اور نماز کی حقیقت اللہ کے نام کی یاد، جیسا کہ فرمایا ہے:

وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی — اور اپنے پروردگار کے نام کو یاد کیا اور نماز پڑھی۔

(حاشیہ صہ ۹۴) مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ آیت ہر سورہ کے آغاز میں اللہ ہی کے حکم سے ثبت نہ کی گئی ہوتی تو کوئی دوسرا اس کا مجاز نہ تھا کہ اسے بطور خود لکھ دیتا۔ خواہ تبرکاً ہی سہی اور اس دلیل کو یہ بات مزید قوت پہنچاتی ہے کہ سورہ توبہ کے آغاز میں جب صحابہ کرامؓ کو بسم اللہ لکھی ہوئی نہ ملی تو انھوں نے اسے بلا بسم اللہ ہی مصحف میں درج کیا۔ (مترجم)

[۵] اس اجمال کی شرح آگے آتی ہے۔

دوسری جگہ ہے :-

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا۔	اور یاد کر اپنے رب کے نام کو اور اسی کی طرف یکسو ہو

تَبَتَّلْ إِلَيْهِ (اسی کی طرف یکسو ہو) یعنی اس کی نماز پڑھ، جیسا کہ سیاق سے واضح ہے۔ کسی شئے کا نام اس کی یاد کا واسطہ ہوا کرتا ہے۔ پس اللہ کے نام کی یاد ہی درحقیقت اللہ کی یاد ہے۔ اور یہی چیز نماز کی روح ہے۔ اسی وجہ سے جب نماز کو اس کی کامل صورت کے ساتھ ادا کرنا ممکن نہ ہو تو کم از کم ذکر اللہ کو قائم رکھنے کا حکم ہوا۔ اور امن و اطمینان کی حالت میں بھی اس کی تاکید فرمائی گئی تاکہ یہ حقیقت واضح رہے کہ نماز کی اساس یہی چیز ہے۔ چنانچہ فرمایا :-

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔ (البقرہ: ۲۳۹)	پھر اگر تم کو خطرہ لاحق ہو تو پیادہ یا سوار جس حالت میں بھی ہو پڑھ لیا کرو۔ اور جب تم کو اطمینان ہو جائے تو خدا کی یاد اس طرح کرو (یعنی نماز پڑھو) جس طرح تم کو سکھلایا ہے، جو تم نہیں جانتے تھے (یعنی نماز کی کامل صورت)

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہی میں اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا تھا

اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ	میں ہی اللہ ہوں، نہیں ہے کوئی
اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ	معبود مگر میں۔ پس میری ہی عبادت کرو
الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔ (طٰہٰ:۱۴)	اور میری یاد کے لئے نماز قائم کرو۔

سورۂ اعراف میں فرمایا:۔

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ	اور جو کتاب کو مضبوطی کے ساتھ
وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ (۱۷۰)	تھامتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں اس ذیل میں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اعوذ باللہ کو شیطان سے پناہ کا ذریعہ قرار دیا ہے اسی طرح اپنے نام کو بھول چوک سے (جو شیطان ہی کی جانب سے ہوتی ہے) امان کا ذریعہ بنایا ہے۔ اس کا اشارہ سورہ اعلیٰ کی آیت سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰٓی (ہم تم کو پڑھا دیں گے پھر تم نہ بھولوگے) میں پایا جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات اپنے نام کی تسبیح کے حکم کے بعد فرمائی ہے۔

پس آغاز قرآن کے لئے یہ موزوں ترین کلام ہے۔ یہ قلب کو تمام تشویشوں سے پاک کرکے مطمئن کر دیتا ہے جیساکہ ارشاد ہے:۔

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ	آگاہ کہ اللہ کی یاد ہی سے قلوب
تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (رعد:۲۸)	مطمئن ہوتے ہیں۔

اور یہ بات اوپر معلوم کر چکے ہو کہ اللہ کی یاد دین کی بنیاد ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر ہی کو قرآن کی بنیاد بھی قرار دیا اور اسی چیز کے ساتھ اول اول اس کا نزول ہوا

اور اسی چیز کا حکم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہوا۔

پھر بسم اللہ اس بات کا اقرار ہے کہ تمام فضل و احسان اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ہے۔ گویا ہم بسم اللہ پڑھ کر اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو احسانات فرمائے ہیں یہ ہمارے استحقاق کا نتیجہ نہیں ہیں بلکہ یہ سب کچھ اس کے اسمائے حسنیٰ رحمان و رحیم کا فیضان ہے۔ تورات کی بھی ایک سے زیادہ آیات اس کی تائید کرتی ہیں۔

نیز اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ تمام قوت و زور اسی کا بخشا ہوا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ابتدائے وحی کے وقت ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے نام کی یاد کا حکم ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی الواح کی تیاری کے بعد طور پر سب سے پہلے اللہ کا نام ہی نازل ہوا۔ کتاب خروج باب ۳۴ (۵-۸) میں ہے:۔

"تب خداوند ابر میں ہو کر اُترا اور اس کے ساتھ وہاں کھڑے ہو کر خداوند کے نام کا اعلان کیا ۞ اور خداوند اس کے آگے سے یہ پکارتا ہوا گذرا، خداوند، خداوند خدائے رحیم اور مہربان قہر کرنے میں دھیما اور شفقت اور وفا میں غنی ۞ ہزاروں پر فضل کرنے والا، گناہ اور تقصیر اور خطا کا بخشنے والا لیکن وہ مجرم کو ہرگز بری نہیں کرے گا بلکہ باپ دادا کے گناہ کی سزا ان کے بیٹوں اور پوتوں کو تیسری اور چوتھی پشت تک دیتا ہے ۞ تب موسیٰ نے جلدی سے سر جھکا کر سجدہ کیا۔"

یہ ساری عبارت ہم نے محض اس مقصد سے نقل کی ہے کہ بسم اللہ کی اہمیت اور اس کے ساتھ نماز کا تعلق تمھاری سمجھ میں آجائے۔ قرآن مجید نے بھی جہاں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی سرگزشت کی تفصیل کی ہے وہاں اس معاملہ کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ فرمایا ہے۔ [1] ... نیز اس سے سورۂ اقرء، اور سورۂ سبح اسم ربک کی تاویل پر بھی روشنی پڑے گی کیونکہ ان کے مضامین اور تورات کے بیان میں بہت مماثلت ہے۔ ان سورتوں کی تفسیر نیز سورۂ فاتحہ کے ذیل میں ہم کسی قدر ان اشارات کی تفصیل کریں گے۔

یہاں تک اظہار برکت و عظمت کے مفہوم کی تشریح ہوئی۔ اب ہم بالاختصار سند کے مفہوم کو بھی واضح کرنا چاہتے ہیں۔ یہ پہلو بھی نہایت اہم لطائف و حقائق پر مشتمل ہے۔ اس پہلو کے اعتبار سے بسم اللہ کے معنی گویا یہ ہوئے کہ یہ کلام خداوند تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یہ اس پیشین گوئی کی طرف اشارہ ہوگا جس کا ذکر حضرت موسیٰؑ کی پانچویں کتاب باب ۱۸ (۱۸-۱۹) میں ہے۔

"میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا
اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی
وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر

---

[1] اصل کتاب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں بیاض چھوڑی ہے۔ میرا خیال ہے کہ سورۂ طٰہٰ کی آیات (اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ) کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم بالصواب۔ (مترجم)

کچھ گا نہ سنے گا تو میں ان کا حساب اس سے لوں گا۔"

چنانچہ یہ بات حرف بحرف پوری ہو کے رہی۔ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے اور جنھوں نے ان باتوں کو نہیں مانا جو آپ نے اللہ کا نام لے کر کہیں، ان سے نہایت سخت مواخذہ ہوا۔ اور یہ بھی اس پیشین گوئی کی تصدیق تھی کہ اولین وحی اللہ کے نام کے ساتھ نازل ہوئی:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ	پڑھ اپنے اس پروردگار کے نام
خَلَقَ	سے جس نے پیدا کیا۔

پھر اس کے ساتھ رحمٰن و رحیم کی صفتیں لائے ہیں[1] ...... یہود نے یہ نام (رحمٰن و رحیم) ضائع کر دیئے تھے جس کی سزا ان کو یہ بھگتنی پڑی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے یکسر قہر و جلال بن کے رہ گیا اور ان کا پیغمبر بھی ان کی سخت دلی کے سبب سے ان کے لئے ہیبت و شدت ہی کے بھیس میں نمودار ہوا اور ان کی سرکشی کے باعث ان کی شریعت بھی ان کے لئے نہایت سخت ہو گئی۔ جیسا کہ سورۂ انعام میں وارد ہے:۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا	اور یہود پر ہم نے تمام ناخون والے
كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ	جانور حرام کئے اور گائے اور بکری

---

[1] یہاں بھی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بیاض چھوڑی ہے غالباً رحمٰن و رحیم پر کچھ لکھنا چاہتے تھے چونکہ اس کی تفصیل کسی قدر تفسیر سورۂ فاتحہ میں ملے گی اس لئے یہاں ہم اس کی توضیح غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ (مترجم)

وَ الْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ | میں سے ان کی چربی کو ان پر
شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ | حرام کیا مگر جو ان کی پیٹھ سے لگی
ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ | ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈی سے لی
اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ | ہوئی ہو۔ یہ ہم نے ان کی سرکشی
جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۔(۱۴۶) | کا بدلہ دیا۔

اس کی شہادت اسپینوزا نے بھی دی ہے۔ وہ کہتا ہے :۔

یرمیاہ نبی نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل کا خدا اس دن سے ان پر غضبناک ہے جس دن سے انھوں نے اپنے شہر کی تعمیر کی۔ لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر خدا کی غضبناکی اسی روز سے ہے جس روز سے ان کو شریعت ملی اور حزقیل نبی کے کلام سے ہمارے اس دعوے کی تصدیق ہوتی ہے۔ باب ۲۰ ۲۵ میں ہے "میں نے ان کو برے آئین اور ایسے احکام دیے جن سے وہ زندہ نہ رہیں"

اس کی پوری تفسیر سورۂ انعام میں ملے گی۔

اگر اس معاملہ پر غور کرو گے تو یہ حقیقت تم پر واضح ہو گی کہ اس طرح کی سخت شریعت دائمی شریعت نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ جو رحمٰن و رحیم ہے، لوگوں کو ہمیشہ کے لئے کسی شکنجہ میں کس کر نہیں رکھ سکتا چنانچہ اس سخت شریعت سے نجات کی بشارت بھی اس نے شروع ہی میں دیدی تھی۔ سورۂ اعراف میں اس بشارت کی طرف اشارہ موجود ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمایا جاتا ہے :۔

عَذَابِیْٓ اُصِیْبُ بِہٖ مَنْ
اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ
کُلَّ شَیْءٍ ۭ فَسَاَکْتُبُھَا لِلَّذِیْنَ
یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ
وَالَّذِیْنَ ھُمْ بِاٰیٰتِنَا
یُؤْمِنُوْنَ ۔ اَلَّذِیْنَ
یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ
الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ
مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِیْلِ ۔ (۱۵۶-۱۵۷)

رہا میرا عذاب تو میں اس کو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں۔ اور میری رحمت ہر چیز پر عام ہے سو اس کو میں ان لوگوں کے لئے لکھ رکھوں گا جو تقوی پر قائم رہیں گے، زکوٰۃ دیں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے۔ جو پیروی کرتے ہیں نبی امی کی جس کو لکھا ہوا پاتے ہیں اپنے ہاں توراۃ اور انجیل میں۔

نیز سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا:-

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ
وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (۸)

توقع ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر فساد کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے۔

یہود کے متعلق توریت سے ثابت ہے کہ عین اس وقت جب کہ رحمت الٰہی ان کی طرف متوجہ تھی اور ان کو شریعت ملنے والی تھی، انھوں نے گوسالہ پرستی کی اور اس جرم کے مرتکب ہو کر وہ اس عورت کے مانند بن گئے جس نے پہلی ہی شب میں اپنے شوہر کے ساتھ

بے وفائی کی ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اپنی اس بے وفائی کے سبب سے یہ اللہ کے غضب کے مستحق قرار پائے اور ان پر رحمت کا معاملہ ان کی نا قدری کی وجہ سے آخری نبی کی بعثت پر اٹھا رکھا گیا چنانچہ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے لئے رحمت بن کر مبعوث ہوئے یہی وجہ ہے کہ آپ کی تعریف میں فرمایا گیا کہ :۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ ۔ (انبیاء: ۱۰۷)

اور ہم نے نہیں بھیجا تم کو مگر عالم کے لئے رحمت بنا کر۔

اور ایسی ہی تعریف آپ کے صحابہ کی بھی بیان ہوئی ہے :۔

اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ (فتح: ۲۹)

کفار کے لئے سخت اور آپس میں رحم دل ۔

اسم "اللہ" کا مفہوم "اللہ" میں ، الف ، لام ، تعریف کے لئے ہے ۔ یہ نام صرف اللہ واحد کے لئے مخصوص تھا جو تمام آسمان و زمین اور تمام مخلوقات کا خالق ہے ۔ اسلام سے پہلے عرب جاہلیت میں بھی اس لفظ کا یہی مفہوم تھا ۔ عرب مشرک ہونے کے باوجود اپنے دیوتاؤں میں سے کسی کو بھی ، اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں قرار دیتے تھے ۔ وہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ آسمان و زمین کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ دوسرے دیوتاؤں کو وہ صرف اس وجہ سے پوجتے تھے کہ ان کے خیال میں وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں اور اس لئے وہ ہمارے سفارشی ہیں ۔ . . . . ۔ قرآن شریف میں ان کے اقوال نقل ہیں :۔

وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِندَ اللّٰهِ (یونس: ١٨)

کہتے ہیں یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى (زمر: ٣)

کہتے ہیں ہم نہیں پوجتے ان کو مگر اسلئے کہ یہ اللہ سے ہم کو قریب کر دیں۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ فَأَنّٰى يُؤْفَكُونَ ۝ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ إِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ وَلَئِن سَأَلْتَهُم مَّن نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ - (عنکبوت: ٦١-٦٣)

اگر تم ان سے پوچھو کس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور مسخر کیا سورج اور چاند کو؟ کہیں گے اللہ۔ پھر کہاں ان کی عقل الٹ جاتی ہے! اللہ ہی روزی میں وسعت دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کرتا ہے اس کے لئے۔ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور اگر ان سے پوچھو کس نے اتارا بادل سے پانی، پھر زندہ کی اس سے زمین اس کے مرنے کے بعد؟ کہیں گے اللہ۔ کہو اللہ ہی کے لئے شکر ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں سمجھتے۔

بعض مسیحی اہل قلم کا خیال ہے کہ اس لفظ (اللہ) کی اصل "ایل" ہے جو اکثر عبرانی ترکیبوں میں استعمال ہوئی ہے۔ مثلاً اسرائیل (اللہ کا بندہ) اسماعیل (اللہ نے سنی) عمانویل (اللہ ہمارے ساتھ ہے) اور وہ اس کو "بعل" سے مشتق سمجھتے ہیں اور بعل ان کے خیال میں سورج کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ ہمارے نزدیک یہ بالکل لغو اور مہمل خیال آرائی ہے اور یہ ان لوگوں کی اپج ہے جو نبوت کے منکر ہیں اور جو عبرانیوں کے مذہب کو بت پرستوں کے مذہب سے ماخوذ بتلاتے ہیں۔

اس باب میں صحیح رائے یہ ہے کہ عبرانی زبان نے سہ حرفی الفاظ میں سے بالعموم ایک حرف ضائع کر دیا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے محققین زبان عبرانی الفاظ کی تصحیح عربی زبان کی مراجعت سے کیا کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام سامی زبانوں میں سب سے زیادہ مکمل اور اصل سے قریب تر زبان یہی ہے۔ بلکہ سامی زبانوں کے علماء اور مسیحی مستشرقین کا اعتراف تو یہ ہے کہ یہی تمام سامی زبانوں کی اصل ہے۔ بہرحال لفظ "ایل" کے متعلق مذکورہ بالا خیال بالکل بے بنیاد ہے۔ عبرانی زبان میں اس کی اصل محفوظ ہے۔ پہلا لفظ جس سے تورات شروع ہوتی ہے "الوہیم" کا لفظ ہے۔ یہ لفظ تورات میں اکثر آیا ہے اور یہی "ایل" کی اصل ہے۔

یہ لفظ، دین صحیح کے ان باقیات صالحات میں سے ہے جو عربوں کو وراثت میں ملی تھیں۔ یہود اور نصاریٰ نے اس لفظ کو ضائع کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان کے ہاں کوئی خاص لفظ سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ وہ "اللہ" کا لفظ غیر اللہ کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "اللہ" ان کے ہاں "سید" کے مفہوم میں بھی مستعمل

ہے: زبور ۸۲ میں ہے۔

"خدا کی جماعت میں خدا موجود ہے۔

وہ الٰہوں کے درمیان عدالت کرتا ہے۔

تم کب تک بے انصافی سے عدالت کروگے۔

اور شریروں کی طرفداری کروگے۔"

اس میں جس لفظ کا ترجمہ "خدا" کیا گیا ہے وہ "الوہیم" ہے یہ واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے کیونکہ "یم" جو عبرانی میں علامت جمع ہے تعظیم کے لئے بھی آتی ہے۔ پس "خدا کی جماعت" دراصل "الٰہوں کی جماعت" ہے جیسا کہ بعد کے فقرے سے واضح ہوتا ہے اور بعد کے فقرے کا پہلے فقرے سے مشابہ لانا عبرانی زبان کا ایک عام اسلوب ہے۔ اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ "اللہ تعالیٰ حکام کے مجمع میں موجود ہے اور وہ ججوں کے درمیان عدالت کرے گا پس کب تک تم بے انصافی سے عدالت کروگے اور شریروں کی طرفداری کروگے۔"

جو باتیں بنی اسرائیل سے مخفی رہ گئیں ان میں سے بہت سی باتوں کی قرآن مجید نے توضیح کی ہے۔ چنانچہ اس مضمون کی توضیح قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ	کیا نہیں دیکھتے کہ اللہ جانتا ہے
مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي	جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ
الْاَرْضِ مَا يَكُوْنُ مِنْ	زمین میں ہے۔ نہیں ہوتا ہے تین کا

نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ	مشورہ مگر چوتھا وہ ہوتا ہے اور
رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا	نہ پانچ کا مگر چھٹا وہ ہوتا ہے اور
هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ	نہ اس سے کم و بیش مگر وہ ان
مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا	کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی
هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا	وہ ہوں۔ پھر ان کو خبر دے گا
ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا	ان کے عمل کی قیامت کے دن
يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ	بے شک اللہ ہر بات کو
شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (مجادلہ: ۷)	جانتا ہے۔

زبور کی مذکورہ بالا عبارت پر غور کرو کس طرح اللہ اور حکام کے الفاظ میں التباس ہونے کی وجہ سے دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کر دیا گیا ہے۔ سفر خروج (باب ۴: ۱۶) میں بھی اس کی مثال موجود ہے۔

"اور وہ (ہارون) تیری طرف سے لوگوں سے باتیں کرے گا اور وہ تیرا منہ بنے گا، اور تو اس کے لئے خدا ہوگا۔"

اسی طرح سفر خروج باب ۷: ۱ میں ہے۔

"پھر خداوند نے موسیٰ سے کہا دیکھو میں نے تجھے فرعون کے لئے خدا ٹھہرایا اور تیرا بھائی ہارون تیرا پیغمبر ہوگا۔"

حالانکہ ان دونوں عبارتوں کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تجھ کو امیر مقرر کیا اور ہارون

فرعون سے گفتگو کرنے کے لئے تیرا سفیر ہوگا۔ سفر تکوین باب ۳۲ : ۲۴-۲۹ میں بھی اسکی مثال موجود ہے :۔

"اور یعقوب اکیلا رہ گیا اور پو پھٹنے کے وقت تک ایک شخص وہاں اس سے کشتی لڑتا رہا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ اس پر غالب نہیں ہوتا تو اس کے کولہے پر زور سے مارا اور یعقوب کا کولہا اتر گیا۔ اور اس نے کہا مجھے جانے دے، کیونکہ پو پھٹ چلی۔ یعقوب نے کہا جب تک تو مجھے برکت نہ دے میں تجھے جانے نہیں دوں گا۔ تب اس نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا یعقوب۔ اس نے کہا تیرا نام آگے کو یعقوب نہیں بلکہ اسرائیل ہوگا۔ کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب ہوا۔ تب یعقوب نے اس سے کہا کہ میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے اپنا نام بتا دے اس نے کہا تو میرا نام کیوں پوچھتا ہے؟ اور اس نے اسے وہاں برکت دی اور یعقوب نے اس جگہ کا نام فنی ایل رکھا اور کہا کہ میں نے خدا کو رو برو دیکھا تو بھی میری جان بچی رہی۔"

یہ ایک عجیب و غریب قصّہ ہے اور یہود نے اس میں جو خرافات ملا رکھی ہیں اُن کی کوئی تاویل کرنا یا ان کی ذمہ داریوں سے اپنے آپ کو بچا لے جانا ان کے لئے بالکل ناممکن ہے۔ اس کو غور سے پڑھو تو معلوم ہوگا کہ جہاں جہاں "عفریت" یا "جبار" وغیرہ کے الفاظ ہونے چاہئیں وہاں "اللہ" اور "ایل" کے الفاظ ٹھونس دیئے گئے ہیں۔ اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ "الٰہ" کے لفظ کی بنی اسرائیل کے یہاں کوئی خاص اہمیت و منزلت نہیں رہ گئی تھی۔ جس طرح امیر، سید، جبار، شدید، وغیرہ الفاظ ہیں اسی طرح ایک لفظ یہ بھی تھا اور اس کے معنی ان کے ہاں طاقت ور اور مضبوط کے ہیں۔ اللہ کے لئے غیر مشترک اور مخصوص نام ان کے ہاں صرف "یہوواہ" ہے۔ لیکن اس لفظ کے حروف اور ان کی حرکات کے بارہ میں بڑے شکوک اور اختلافات ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا تلفظ بھی ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ سفر خروج باب ۶ میں ہے :-

"پھر خدا نے موسیٰ سے کہا میں خداوند ہوں ۃ اور میں ابرہام اور اضحاق اور یعقوب کو خدائے قادر مطلق کے طور پر دکھائی دیا لیکن اپنے یہوواہ نام سے ان پر ظاہر نہ ہوا ۃ"

یہود اس نام کی بڑی تعظیم کرتے ہیں کیونکہ یہ نام مخصوص طور پر ان کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا۔ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اس کو عام طور پر زبان پر لانا جائز نہیں ہے۔ جماعت کے سامنے سال میں صرف ایک مرتبہ یہ نام لیا جاتا تھا، اور اس ڈر سے کہ کہیں اس کا استعمال عام ہو جائے اس کو حرکات سے مجرد کر دیا گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بالکل مجہول ہو کے رہ گیا۔ جب کبھی تلاوت میں یہ لفظ آتا ہے اس کی حرکات سے ناواقفیت کی وجہ سے یہود اس کو ادا نہیں کرتے اور صحیح قرأت چھوڑ کر اس کے عوض "آدونیم" پڑھتے ہیں۔ کس قدر عبرت انگیز مقام ہے کہ ان

لوگوں نے نہ صرف اللہ کی کتاب ضائع کر دی بلکہ اللہ کے نام کو بھی ضائع کر دیا۔
جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے لئے اللہ تعالےٰ سے دعا کا دروازہ بھی نبد ہو گیا اور
قرآن کی بات ان پہ پوری طرح صادق آئی۔ فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰہُ
قُلُوْبَہُمْ (جب وہ کج ہو گئے تو اللہ نے ان کے دل کج کر دیئے)

تفسیر سورۂ فاتحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فصل اوّل

جس طرح ایک گوہر آبدار میں مختلف تابناک پہلو ہوتے ہیں، اسی طرح اس سورۃ کے نظام کے بھی مختلف رُخ ہیں۔ میں اس کے مختلف رخوں کو ایک ایک کرکے سامنے لانا چاہتا ہوں۔

(پہلا رُخ)

یہ سورۃ قرآن کے سہ گانہ علوم کی جامع ہے

یہ سورہ قرآن کا دیباچہ اور بالاجمال اس کے تینوں علوم[1] کی جامع ہے چنانچہ علمار نے اس کا نام موفیہ (پورا کرنے والی) رکھا ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ قرآن کے تمام مطالب کو سمیٹ لینے والی ہے۔ دیباچہ قرآن اور جامع علوم سہ گانہ ہونے کی وجہ سے یہ خود ایک مستقل قرآن ہے کیونکہ دیباچۂ کتاب اصل کتاب پر ایک مزید شے ہوتا ہے۔ لیکن یہ معاملہ کا صرف ایک

[1] توحید، رسالت، معاد۔ (مترجم)

پہلو ہے۔ حقیقت کے اعتبار سے، دیباچۂ کتاب، کتاب کا ایک جزء ہوتا ہے۔

اس سورہ کی یہ حیثیت ہمارے علماء پر خود قرآن سے روشن ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا احسان عظیم جتاتے ہوئے فرمایا ہے:۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ (حجر:) — ہم نے تم کو سات دہرائی ہوئی اور قرآن عظیم دیا۔

سلف سے لیکر خلف تک علماء کا اتفاق ہے کہ "سبع مثانی" سے مراد یہی سورہ فاتحہ ہے۔ اس تاویل کو سامنے رکھ کر دیکھو کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو ایک علٰحدہ "قرآن عظیم" قرار دیا ہے۔ گویا یہ سات آیتیں مجموعہ سے الگ ایک مستقل شان رکھتی ہیں۔ اور اگر عطف کو تفسیر کے لئے نہ مانا جائے بلکہ اس کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ ہم نے تم کو سات آیتیں دیں اور اُن کے ساتھ قرآن عظیم دیا، تو بھی یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ ساتوں آیتیں قرآن پر زائد ہیں اور بہر شکل ان کی حیثیت ایک مستقل اور جامع حیثیت ہے۔

یہ ہر مسلمان کے سینہ میں محفوظ ہے

یہیں سے وہ بات صاف ہو جاتی ہے جو بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مصحف میں سورۂ فاتحہ نہیں تھی۔ قرآن مجید دراصل اوراق کی نہیں بلکہ سینوں کی حفاظت میں ہے۔ حضرت جبرئیلؑ اس کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے لیکر آئے۔ اُن سے اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لیا۔ آپ نے اس کو اپنے صحابۂ کرامؓ کو سکھایا۔ صحابہؓ نے اس کو زبانی محفوظ کیا اور پھر مزید حفاظت کے لئے اس کو مصحف میں بھی جمع کر لیا۔ پس اگر یہ بات صحیح ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے

اپنے مصحف میں فاتحہ نہیں لکھی تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ہر مسلمان کے سینہ میں لکھی ہوئی ہے اور ہر روز ایک مسلمان کی زبان اس کو ۳۲ مرتبہ سے زیادہ دہراتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ جس چیز کو ہمارے سینہ نے اپنی حفاظت میں لے لیا وہ بہتر سے بہتر طریق پر محفوظ ہو گئی ۔ وہ چیز اب ہمارے جسم اور روح کے ساتھ ہے ۔ کوئی جابر سے جابر بادشاہ بھی ہم سے اس کو چھین نہیں سکتا اور کسی لمبے سے لمبے سفر میں بھی ، اپنے مال و متاع کی طرح ، تمھیں اس کی حفاظت کے لئے فکر مند ہونے کی ضرورت باقی نہیں رہی ۔

اس موقع پر عربوں کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ جتنی بات وہ زبانی محفوظ رکھ سکتے تھے اس کو ضبط تحریر میں لانے کی وہ زحمت نہیں اٹھاتے تھے ۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے اسی طرح محفوظ کیا ۔ امت میں حفاظ کی اتنی کثیر تعداد پیدا کر دی کہ اس کا شمار کرنا مشکل ہے ۔

توریت کے معاملہ میں یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ کلمۂ توحید کو زبانی محفوظ کر لیں ۔ اس کے علاوہ جو احکام تھے وہ ایک صحیفہ میں محفوظ کر دیئے گئے جو آہستہ آہستہ فراموش اور ضائع ہو گئے ۔ یہ سورہ چونکہ ہمارے لئے نماز کی سورہ قرار پائی اس وجہ سے امت پر واجب ہوا کہ لوگ اس کو سینوں میں محفوظ کر لیں حضرت عبداللہؓ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا اس کا مقصد یہی تھا ۔ لیکن بعض لوگوں نے غلط فہمی کی وجہ سے یہ گمان کر لیا کہ انھوں نے اس سورہ کو سرے سے مصحف ہی سے خارج کر دیا ۔ حالانکہ اس چیز سے ان کا دامن پاک ہے ۔

۲۔ علوم سہ گانہ کے جامع ہونیکی نوعیت

رہا یہ سوال کہ یہ سورہ تمام علوم قرآن کی جامع کس طرح ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید بالاجمال تین قسم کے علوم پر مشتمل ہے۔ توحید، شریعت، معاد، اگر ہم یہاں ان تینوں کی ایسی تشریح کرنیکی کوشش کریں کہ یہ پھیل کر پورے قرآن کو اپنے دامن میں سمیٹ لیں تو ہم اصل بحث سے ہٹ کر ایک وسیع الاطراف بحث میں جا الجھیں گے۔ اور یہاں اس کا موقع نہیں ہے جو شخص تدبر کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت کرے گا اس پر یہ حقیقت خود بخود روشن ہو جائیگی لیکن ہمارے اس کہنے کا یہ منشاء ہرگز نہیں ہے کہ اس سورہ کا کچھ حصہ توحید کے بیان میں ہے کچھ حصہ شرائع کے بیان میں ہے کچھ حصہ معاد کے بیان میں ہے، بلکہ یہ سارے علوم اس سورہ میں باہمدگر ملے جلے ہوئے ہیں علیحدہ اور نمایاں صورت میں نہیں ہیں۔ توحید ایک تشریف کی طرح سورۃ کی پوری قامت پر پڑی ہوئی ہے اور اس کے نیچے شریعت اور معاد کے مطالب ہیں۔ سورہ کی تفسیر سے انشاء اللہ یہ تمام اشارات روشنی میں آجائیں گے۔

۳۔ یہ سورہ تکمیل نماز کی سورہ ہے

اوپر کی تفصیلات سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی کہ یہ سورہ نماز کے لئے کیوں مخصوص کی گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس نے فاتحہ پڑھ لی اس نے بالاجمال گویا سارے قرآن کو پڑھ لیا۔ اور جب کسی چیز کی تفصیلات کا علم ہو چکا ہو تو ایک اجمالی اشارہ ان سب کی یادداشت کو تازہ کر دینے کے لئے کافی ہوا کرتا ہے۔

اب ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سورہ تکمیل نماز کے لئے ہے اور کوئی نماز اس

نماز سے زیادہ کامل نہیں ہو سکتی جو ان کلمات پر مشتمل ہو یہی سورہ ہے جو پہلے سے بھی نماز کے لئے، قرآن کے ان معجزانہ کلمات کے ساتھ تو نہیں، مگر دوسرے لفظوں میں منقول ہے[۱]۔

جہاں تک نماز کی تاریخ معلوم ہے، ہم کو کوئی نماز ایسی نہیں ملی جو فاتحہ کی روح سے خالی ہو۔ اسی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں اور امت کے حال پر کیسی بے پایاں شفقت ہے حضور کی کہ آپ نے فرمایا کہ جو نماز بغیر فاتحہ کے ہو، ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، تاکہ لوگوں پر تکمیل نماز کے لئے اس عنصر کی اہمیت اچھی طرح واضح ہو جائے اور اس کو یہود و نصاریٰ کی طرح چھوڑ نہ بیٹھیں۔ یہ چیز نصاریٰ کی کتابوں اور ان کے انبیاء کی تعلیم میں بھی موجود تھی لیکن انھوں نے اس کی قدر نہیں پہچانی جیسا کہ ہم اس کی تفصیل فصل[۲] ... میں کریں گے۔ ان لوگوں نے اس کو چھوڑ کر اپنی نمازوں میں من گھڑت دعائیں داخل کرلیں۔ ان میں بار بار تبدیلیاں کیں اور پھر ان کی وجہ سے طرح طرح کے جھگڑے اور فتنے برپا کئے۔ لیکن اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل و احسان ہے کہ اس کے اندر کا کوئی گروہ بھی اس سورہ کی عظمت و اہمیت سے غافل نہیں ہے۔ جس طرح نمازوں کی تعداد، ان کی رکعات اور ان کے قیام وقعود کے بارے میں سب متفق اللفظ ہیں اسی طرح اس سورہ کے پڑھنے کے بارے میں بھی تمام مسلمانو

---

[۱] یہ اشارہ عیسائیوں کی سورہ فاتحہ کی طرف ہے جو لوقا وغیرہ میں مذکور ہے اور آگے چل کر جس کی مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تشریح کی ہے (مترجم) [۲] دوسری فصل میں اس کی تفصیل کسی قدر ملے گی۔ (مترجم)

میں پورا اتفاق رائے موجود ہے۔ جس طرح قرآن ہر قسم کی تحریف سے محفوظ کر دیا گیا ہے اسی طرح ہماری نماز بھی ہر طرح کے تغیر سے محفوظ کر دی گئی ہے۔

پس اس پروردگار کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم کو یہود و نصاریٰ کی طرح گمراہی اور تاریکی میں بھٹکنے کے لئے نہیں چھوڑا بلکہ ضلالت کے تمام مواقع سے بچا لیا یہ اس امر کا صاف ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت اسلام کے لئے اب بھی عام ہے، اس کا سایہ آج بھی ہمارے اوپر پھیلا ہوا ہے، اور دوسری قوموں اور امتوں کے لئے آج بھی اسلام ہی نشان امید ہے۔ اسی مینار پر اللہ تعالیٰ کی روشنی چمکتی ہے اور یہی ملتِ بیضا ہے جس کے پاس اللہ کی کتاب اس کے عہد و میثاق کی حیثیت سے محفوظ ہے اور ہماری نماز اسی عہد کا ایک نشان ہے جیسا کہ توریت، انجیل اور قرآن سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل سورہ فتح[1] کے آخر میں ملے گی۔

یہ امور ہم نے اس لئے بیان کئے ہیں کہ اس سورہ کی منزلت، نیز اس نماز کی عظمت و اہمیت ہماری نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے جس میں یہ خلوص کے ساتھ پڑھی جائے اور ان لوگوں کے دعوے کی غلطی بھی واضح ہو جائے جو کہتے ہیں کہ اسلام خدانخواستہ اللہ کی روشنی اور اس کی تائید سے محروم ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو مبعوث فرمایا اور آپ سے نصرت اور اتمام نعمت کا وعدہ فرمایا۔

---

[1] اس سورہ کی تفسیر کی مصنف رحمۃ اللہ علیہ تکمیل نہ فرما سکے اس کی بعض مشکل آیتوں کے متعلق بعض مفید اشارات مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مسودات میں موجود ہیں ان کی اشاعت کی شاید کبھی نوبت آئے۔ (مترجم)

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہی ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	ہدایت اور دین حق کے ساتھ تاکہ اسکو
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ (صف: ۹)	سارے دین پر غالب کرے۔

اور تاریخ گواہ ہے کہ یہ وعدہ پورا ہوا۔ آپ کی فتوحات کی بشارتیں قدیم صحیفوں میں اس کثرت کے ساتھ وارد تھیں کہ یہود آپ کے ظہور کے بعد کفار پر غلبہ پانے کے امیدوار تھے۔

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ	اور وہ (آپ کی آمد سے) قبل کافروں
كَفَرُوْا (بقرہ: ۸۹)	پر فتح و نصرت کی دعا مانگتے تھے۔

کتب مقدسہ میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی تھی جو بالآخر یروشلم میں داخل ہونے والے تھے اور خود قرآن مجید میں اسلام کے شجرۂ طیبہ کی ہونہاری اور برکت بخشی کا ذکر ان لفظوں میں وارد ہے:۔

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ	ان کے یہ اوصاف توریت میں بیان
وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ	ہوئے ہیں۔ اور انجیل میں ان کی
كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ فَاٰزَرَهٗ	مثال اس طرح بیان ہوئی ہے
فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى	کہ کھیتی نے اپنی سوئی زمین سے
سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ	نکالی پھر اس کو قوی کیا اور وہ رفتہ
(فتح: ۲۹)	رفتہ موٹی ہوئی یہاں تک کہ وہ اپنے
	تنہ پر کھڑی ہو کر کسانوں کو خوش

کیا جس کے ظہور کی بشارتیں اتنے شاندار لفظوں میں سنائی گئی تھیں وہ محض ایک افسانہ تھا! اور جس مبارک درخت کی برکتیں اتنی بے پایاں بیان ہوئی تھیں وہ کوئی گھورے کا پودا تھا جو آن کی آن میں اگا اور اکھڑ گیا! حاشا و کلا! ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ذلت اور نامرادی صرف باطل کا حصّہ ہے۔ حق تو صرف سربلند ہونے اور پھلنے پھولنے ہی کے لئے آیا ہے۔

(دوسرا رُخ)

۴۔ یہ سورہ نظم قرآن کا نمونہ ہے: یہ پڑھ چکے ہو کہ سورہ فاتحہ دیباچۂ قرآن ہونے کی وجہ سے تمام علوم قرآن کی جامع ہے۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ قرآن کے علوم سہ گانہ کی جامع ہے اسی طرح قرآن کے نظم کی بھی جامع ہے یعنی اگر تم فاتحہ کی تلاوت کرو تو اسی سورہ میں قرآن اپنی پوری نظمی ہیئت میں تمھارے سامنے آجائے گا۔ گویا یہ ایک چھوٹا سا آئینہ ہے جس کے اندر قرآن عظیم کا پورا عالم جھلک رہا ہے۔ یہ اس کے جامع اور نمونہ ہونے کا دوسرا رخ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن پر بحیثیت مجموعی غور کرو تو نظر آئے گا کہ یہ اللہ کی حمد سے شروع ہوتا ہے اور درجہ بدرجہ اسلام کے اصول ظاہری و باطنی کی تفصیل کرتا ہوا اکمال فتح و نصرت[1]، مخالفین کی ہلاکت[2]، اور تکمیل فرض نبوت تک پہنچتا ہے۔ اس کے بعد سورہ اخلاص آخری عہد کی حیثیت سے نمودار ہوتی ہے۔ اور جب اس ترتیب کے ساتھ اس

---

[1] سورہ نصر کے مضمون کی طرف اشارہ ہے (مترجم) [2] سورہ تبت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے (مترجم)

شہر قدسی کی تکمیل، اس کی شہر پناہ، اور اس کے برجوں کی تعمیر ہو چکتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے دروازے پر دو پہرہ دار کھڑے کر دیئے گئے ہیں یا دو تلواریں لٹکا دی گئی ہیں جو اس کی حفاظت کر رہی ہیں۔ ہماری مراد معوذتین (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) سے ہے۔ گویا قرآن مجید ایک جنت عدن ہے جس پر دو کرّوبی چمکدار تلواریں لئے ہوئے نگرانی کر رہے ہیں تفصیل اس کی سورتوں کے نظام کی تشریح کے سلسلہ میں ملے گی۔

قرآن مجید کی یہ تصویر نگاہوں کے سامنے رکھو اور پھر سورہ فاتحہ پر غور کرو۔ اس چھوٹے سے نگینہ کے اندر بھی وہ پورا شہرستانِ معانی تمہیں نظر آئے گا جو قرآن میں دیکھ چکے ہو۔ اس کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے۔ پھر عدل کا مضمون نمایاں ہوتا ہے جو تمام معاملات پر حاوی ہے۔ پھر عبادات کی دو اصلیں سامنے آتی ہیں۔ پھر صراط مستقیم (یعنی توحید و سنت) نمودار ہوتی ہے۔ پھر تعوذ ہے اور معوذتین کی طرح یہاں بھی تعوذ ظاہری اور تعوذ باطنی دونوں ہیں۔ شرح اس اجمال کی طویل ہے۔ اس مقابلہ کا اصلی حسن تو آخری سورتوں کی تفسیر جب تمہارے سامنے ہو تو بے نقاب[1] ہوگا۔ تاہم اس سورہ کے الفاظ کی تفسیر کے ذیل میں بھی ہم بعض امور کی طرف اشارہ کریں گے۔

اب اس روشنی میں دیکھو تو مجموعی قرآن کی طرح یہ سورہ بھی جنت عدن کے مثل ہے۔ جس پر دو کرّوبی پہرہ دے رہے ہیں۔ یہ تشبیہ کوئی شاعرانہ خیال آرائی نہیں ہے بلکہ ایک اہم حقیقت ہے جس کی تفصیل ہم انشاء اللہ کریں گے۔

---

[1] اس مقام کی تفصیل سورہ کافرون، سورہ کوثر، سورہ لہب کی تفسیروں میں ملے گی (مترجم)

(تیسرا رُخ)

۵۔ نماز دین کے اوّلین احکام میں سے ہے۔ یہ سورہ نماز کی سورہ ہونے کی وجہ سے جب سارے قرآن پر مقدم ہوئی تو اس سے لازمی نتیجہ ایک تو یہ نکلا کہ نماز دین کے اولین احکام میں سے ہے اور دوسرا یہ کہ جو شخص نماز کا تارک ہے وہ دراصل سارے دین کا تارک ہے۔ چونکہ یہ بات بطریق اشارہ مستنبط ہوئی تھی اس وجہ سے ضرورت محسوس ہوئی کہ کتاب وسنت میں اس کی تحقیق کی جائے۔ سو تحقیق کے بعد یہ بات ثابت ہوئی کہ ہمارا استنباط کتاب وسنت کے بالکل مطابق ہے۔ اس اشارہ کی کتاب وسنت سے تصدیق ہو جانے کے بعد ہمارے نزدیک نماز کا مرتبہ بہت اونچا ہو گیا کیونکہ اسی کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ اپنے عہد کا سررشتہ قرار دیا ہے۔ سورہ بقرہ کی تفسیر میں آیت فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ کے تحت ہم نے لکھا ہے کہ اس امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا عہد نماز کے ذریعہ سے قائم ہے۔ جب تک ہم نماز پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہیں گے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارا رشتہ مضبوط رہے گا۔ اس وقت تک ہم اپنے دشمنوں پر غلبہ پائیں گے۔ اور اس دشمن ازلی (شیطان) سے بھی مامون رہیں گے جو ہمارے اپنے پہلو میں موجود ہے جیسا کہ اجمالاً وتصریحاً اس کا وعدہ کیا گیا ہے:۔

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ (عنکبوت: ۴۵)	نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

اور ترک نماز کی وجہ سے بعض ملتوں کی گمراہی کا ذکر ان لفظوں میں ہوا ہے:۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ	ان کے بعد ان کے ایسے جانشین آئے
اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا	جنھوں نے نماز ضائع کردی اور شہوتوں
الشَّھَوٰتِ فَسَوْفَ	کے پیچھے پڑ گئے، وہ بہت جلد اپنی گمراہی
یَلْقَوْنَ غَیًّاہ (مریم : ۵۹)	سے دوچار ہوں گے۔

یہ آیت انبیاء کرام اور ان کی انعام یافتہ جماعت کے ذکر کے بعد آئی ہے جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ نماز کا ترک اللہ کی مُنْعَمْ عَلَیْہِم جماعت سے نکل جانے کے مرادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاتحہ میں خاص طور پر اس بات کے لئے دعا کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک اور انعام یافتہ جماعت کے نقشِ قدم پر چلائے۔

یہاں ہم اسی پر بس کرتے ہیں۔ سورہ حج میں اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کے تحت اس کی تشریح ملے گی۔ علاوہ ازیں سورۂ مومنون کے شروع میں اور سورۂ بقرہ کی آیت حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ کے ضمن میں نیز سورۂ کوثر میں اس باب کے نہایت اہم حقائق بیان ہوں گے۔ . . . [1]

---

[1] اس کے بعد مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کئی فصلوں میں سورہ کے بعض اشارات کی تفصیل کی ہے جو عام ناظرین کے لئے مفید نہیں ہوں گے۔ اس وجہ سے ترجمہ میں ہم نے ان کو حذف کر دیا ہے جو حضرات عربی زبان سے واقف ہیں وہ اصل کتاب فاتحہ نظام القرآن ملاحظہ فرمائیں۔

(مترجم)

فصل دوم

۱۔ نصاریٰ کی فاتحہ اور ہماری فاتحہ کا مقابلہ

عملی اور قولی تواتر (مثلاً حدیث خداج اور حدیث قسمت الصّلوٰۃ بینی و بین عبدی) سے یہ بات ثابت ہے کہ سورہ فاتحہ نماز کی سورہ ہے۔ نیز حضرت عیسیٰؑ نے اپنے حواریوں کو جو نماز سکھائی تھی اس میں بھی قریب قریب یہی کلمات ہم کو ملتے ہیں۔ اگرچہ نصاریٰ نے اس کے بعض الفاظ اور بعض الفاظ کے حقیقی معانی فراموش کر دیئے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ (مائدہ: ۱۴)

اور ان لوگوں سے جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں، ہم نے میثاق لیا تو انھوں نے بھلا دیا اس چیز کا ایک حصہ جس کے ذریعہ سے انھیں یاد دہانی کی گئی تھی

ہم یہاں نصاریٰ کی اس دعا کو نقل کرتے ہیں تا کہ فاتحہ کے ساتھ اس کی مطابقت اور پھر اس کے مقابل میں قرآن کے اسلوب کی فضیلت نمایاں ہو سکے۔ لوقا ۱۱: ۱-۴ میں ہے:-

"پھر ایسا ہوا کہ وہ کسی جگہ دعا کر رہا تھا، جب کر چکا تو اس کے شاگردوں میں سے ایک نے اس سے کہا، اے خداوند! جیسا یوحنا نے اپنے شاگردوں کو دعا کرنا سکھایا

تو بھی ہمیں سکھاؤ اس نے ان سے کہا جب تم دعا کرو تو کہو اے ہمارے آسمانی باپ! تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے، تیری مرضی زمین میں بھی پوری ہو جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے۔ ہماری روز کی روٹی ہمیں دیا کرو اور ہمارے گناہ معاف کر کیونکہ ہم بھی اپنے ہر قرض دار کو معاف کرتے ہیں اور ہمیں آزمائش میں نہ لا بلکہ ہمیں شر سے نجات دے۔"

متی میں اس کے بعد یہ الفاظ ہیں :-

"تیرے ہی لئے بادشاہی، قوت اور عظمت ہے ابد تک۔ آمین۔"

متی کے اکثر نسخوں میں یہ آخری فقرہ نہیں ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ یہ مقتدیوں کے جواب کے طور پر بعد میں بڑھا دیا گیا ہے۔

اس دعا کے فقروں پر غور کرو تو فاتحہ کے ساتھ ان کی مطابقت نہایت آسانی کے ساتھ واضح ہو جائے گی۔

انجیل کے الفاظ "اے ہمارے آسمانی باپ" "اے ہمارے رب" کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جیسا کہ آل عمران، مائدہ، مریم اور زخرف وغیرہ میں حضرت مسیح علیہ السلام کا قول "رَبِّی وَرَبُّکُمْ" کے الفاظ کے ساتھ نقل ہوا ہے۔

"سُبْحٰنَکَ" ہمارے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" کی طرح ہے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ "سُبْحٰنَکَ" صرف تعظیم

کے لئے آتا ہے اور "محمد" جیسا کہ واضح ہو گا، تعظیم اور شکر دونوں پر مشتمل ہے۔

"تیری بادشاہی آئے، زمین میں تیری مرضی پوری ہو جس طرح آسمان میں پوری ہوتی ہے"،

مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" سے متشابہ ہے۔ لیکن انجیل کے الفاظ سے صاف صاف روزِ جزار کی دعا کا اظہار ہوتا ہے اور "مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ" صرف حوالگی اور اعتماد و توکل کا کلمہ ہے۔ ہمارے یہاں روزِ جزا کی آمد کے لئے دعا سے احتراز کیا گیا ہے کیونکہ سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کے لئے جلدی مچانا ان لوگوں کا کام ہے جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ جو لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کی آمد کے تصور سے ڈرتے رہتے ہیں۔

یَسْتَعْجِلُ بِهَا الَّذِیْنَ لَا	اس کے لئے جلدی مچاتے ہیں وہ لوگ
یُؤْمِنُوْنَ بِهَا وَالَّذِیْنَ	جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ جو لوگ
اٰمَنُوْا مُشْفِقُوْنَ مِنْهَا	ایمان رکھتے ہیں وہ اس سے برابر
وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهَا الْحَقُّ۔	ترساں رہتے ہیں اور خوب جانتے
(شوریٰ: ۱۸)	ہیں کہ وہ آکے رہے گی۔

حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے لئے یہ دعا اس وجہ سے جائز ہوئی کہ وہ اپنے بعد ایک آسمانی بادشاہی کے ظہور کی بشارت دے رہے تھے اور یہ آسمانی بادشاہی روزِ جزار کے ظہور کے ساتھ ساتھ ہمارے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی بعثت پر بھی مشتمل تھی جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کے بموجب دنیا کے لئے وہ کامل شریعت نازل فرمائی جس کا آنا انجیل

مقدر تھا۔ انجیل میں کتنی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ "آسمان کی بادشاہی" سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے۔ لیکن یہاں ہمارے لئے اس مسئلہ کی تفصیل میں پڑنے کا موقع نہیں ہے۔ سورہ صف کی آیت ذیل :-

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ	خوشخبری دیتے ہوئے ایک ایسے
بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ	رسول کی جو میرے بعد آئے گا اور
(صف: ۶)	اس کا نام احمد ہوگا۔

کے تحت ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس پر پوری بحث کریں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کی آسمانی بادشاہی کا ایک جزء پورا ہو چکا تھا، صرف دوسرے جزء یعنی روزینہ کا ظہور باقی رہ گیا تھا جس کے لئے دعا کرنا، جیسا کہ اوپر واضح ہو چکا ہے، موزوں نہیں تھا اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دعا نہیں فرمائی بلکہ ذکر اور اعتراف ربوبیت کے بعد صرف توکل و رجاء کا اظہار کیا۔ چنانچہ "قسمت الصلوٰۃ" والی مشہور حدیث میں فرمایا ہے کہ "جب بندہ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ کہتا ہے" تو اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے اپنے تئیں میرے حوالے کر دیا"۔ اور ظاہر ہے کہ اس امر میں حوالگی اور سپردگی ہی بہتر ہے نہ کہ اس کے لئے دعا۔

ہماری روز کی روٹی ہمیں روز دیا کر" بھی محتاج تفصیل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ تمثیلوں میں باتیں کرتے تھے۔ روٹی سے وہ "روح القدس"

مراد لیتے تھے، جن سے صلحا، اور ابرار کو حقیقی روحانی زندگی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ دعا کی تعلیم کے بعد اپنے عام طریقہ کے مطابق، انھوں نے خود اس کی تفسیر بھی فرما دی ہے" اگر تم برے ہو کر اپنے بچوں کو اچھی چیزیں دینا جانتے ہو تو آسمانی باپ (یعنی پروردگار) اپنے مانگنے والوں کو روح القدس کیوں نہ دیگا" (لوقا باب ۱۱: ۱۳) دوسری جگہ فرمایا" لکھا ہوا ہے (یعنی موسیٰ کے صحیفہ میں ہے) کہ انسان صرف روٹی سے نہیں جیتا بلکہ اس کلمہ سے جیتا ہے جو خداوند کی طرف سے آتا ہے (متی باب ۴: ۴) (یعنی اس کے امر و حکم سے زندگی پاتا ہے، پس تمھاری زندگی اسکی شریعت کی پابندی میں ہے)۔

پس اس دعا میں اسی چیز کی طلب ہے جس کا ذکر حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے اس قول میں ہے کہ

"آدمی صرف روٹی ہی سے نہیں جیتا بلکہ جو کچھ خداوند کے منھ سے نکلتا ہے اس سے زندگی پاتا ہے"۔ (تثنیہ باب ۸ آیۃ ۳)

اس روشنی میں "ہماری روز کی روٹی ہمیں روز دیا کر" کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں وہ چیز عنایت فرما جو ہماری ابدی زندگی کا ذریعہ ہو، یعنی وہ روح ہدایت بخش جو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح علیہ السّلام نے دعا کی تشریح کرتے ہوئے خود اسکی طرف اشارہ بھی فرمادیا ہے (متی میں ہے :-

"تنگ دروازہ میں داخل ہو، وہ دروازہ بہت کشادہ اور وہ راستہ بہت چوڑا ہے جو موت کی طرف لے جاتا ہے اور اس میں داخل ہونے والے بہت ہیں، اور وہ دروازہ بہت تنگ اور وہ راستہ بہت پتلا ہے جو زندگی کی طرف لے جاتا ہے اور

اس کے چلنے والے بہت تھوڑے ہیں" (باب: ۱۳-۱۴)

اس میں زندگی کے راستہ کی مثال تنگ راستہ سے دی ہے اور یہی وہ سیدھی راہ (صراط مستقیم) ہے جو بندے کو پروردگار کے پاس پہنچاتی ہے اور وہی زندگی کا سرچشمہ ہے کیونکہ زندگی دراصل یہ ہے کہ ہم اپنے دل و جان سے اللہ تعالیٰ سے محبت کریں اور وہ ہدایت جو انبیاء علیہم السلام لے کر آئے ہیں، اسی زندگی کی طرف رہبری کرنے والا راستہ ہے۔ قرآن حکیم میں بھی اس حقیقت کی طرف اشارات ہیں۔

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ — کیا جو مردہ رہا ہو پھر ہم نے اس کو
وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ — زندگی بخشی ہو اور اس کو روشنی دی
فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ — ہو جس کو لیکر وہ لوگوں میں چلتا ہو
فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ — اس کے مانند ہو گا جو تاریکیوں کے اندر
بِخَارِجٍ مِنْهَا (انعام: ۱۲۲) — ہو اور ان سے نکلنے والا نہ ہو۔

اس آیت میں ایمان کو زندگی اور اتباع شریعت کو روشنی لیکر چلنے سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ دونوں چیزیں لازم و ملزوم ہیں، کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتیں، جیسا کہ فرمایا ہے

وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ — جو اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے اس نے
إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (آل عمران: ۱۰۱) — صراط مستقیم کی ہدایت پائی۔

یہ انجیل کے فقرات کی شرح تھی جس کی تائید قرآن کی ان آیات سے ہوتی ہے جن میں جگہ جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال کی ترجمانی کی گئی ہے مثلاً:-

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ
بے شک اللہ تعالیٰ ہی میرا اور تمہارا رب ہے پس اسی کی بندگی کرو یہی سیدھا
(آل عمران: ۵۱)
یعنی اللہ واحد کی بندگی کرو جو اس کی بھیجی ہوئی شریعت کی اطاعت پر شامل ہے پس حضرت مسیح کی دعا ہماری دعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ کے ہم معنی ہے۔

ان کا قول "ہمارے گناہ معاف کر ہم بھی اپنے ہر قرض دار کو معاف کرتے ہیں" عفو کی التجا عمل عفو کے وسیلہ سے ہے۔

اور ہم "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" میں ہر اچھے کام کے کرنے اور ہر برے کام سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔ ہم نے عفو اور اجر کے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دیا ہے اور ہر پہلو سے دعا کے ادب کو ملحوظ رکھا ہے۔ ہم نے یہ نہیں کہا کہ "ہماری مدد کر" اور نہ یہ ہی کہا کہ "ہماری مدد کر کیونکہ ہم تیری مخلصانہ بندگی کرتے ہیں"۔ ہم نے وسیلہ کا ذکر کنایہ سے کیا ہے یعنی یہ کہ ہم تیرے سوا کسی کو معبود نہیں بناتے لیکن ہماری دعا دو وسیلوں پر مشتمل ہے کیونکہ "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" خود بھی ایک وسیلہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے تیرے سوا کسی کو مستعان نہیں بنایا۔ اور یہ معلوم ہے کہ یہی دو وسیلے سب سے بڑے وسیلے ہیں۔

تمام احکام میں سب سے بڑا حکم توحید ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے پوچھا گیا کہ "سب سے پہلا حکم کیا ہے"؟ انھوں نے فرمایا کہ "سُن اے اسرائیل! اللہ ہمارا رب ایک ہے اور یہ کہ تو اپنے خداوند سے محبت کر اپنے سارے دل، اپنی ساری جان، اپنی ساری عقل اور اپنی ساری قوت سے۔ یہ سب سے پہلا حکم ہے"۔ یعنی موسیٰؑ کی شریعت میں اس طرح آیا ہے اور توحید ہر نبی کی

اولین تعلیم ہے۔ سورۂ ھود وغیرہ میں اس کے نہایت واضح ثبوت موجود ہیں۔

"اور ہمیں آزمائش میں نہ لا اور شر سے بچا" یعنی آزمائش کی لغزشوں سے بچا کہ جمنے کے بعد قدم اکھڑنے نہ پائیں۔ یہ دعا حضرت مسیحؑ کے حسب حال ہے۔ انجیل میں آزمائش سے بچنے کی دعا بہت ہے۔ اس کی وجہ ان کی خشیت بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ ان کے لئے آزمائشیں بہت تھیں۔ آزمائش اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ کسی صورت میں بھی بندہ کے لئے اس سے مفر نہیں ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے:۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ (ملک: ۲)

اس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو تاکہ تم کو جانچے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے؟

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۔
(عنکبوت: ۲-۳)

کیا لوگوں نے گمان کر رکھا ہے کہ مجرد یہ کہنے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہیں ہوگی؟ حالانکہ ہم نے جانچا ان لوگوں کو جو ان سے پہلے ہو گزرے ہیں سو اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان کر رہے گا جو سچے تھے اور ان کو بھی جان کر رہے گا جو جھوٹے ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے انبیاء کی آزمائشوں کا نام بنام بھی ذکر ہوا ہے۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے :-

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ	جب کہ ابراہیم کو اس کے رب نے چند
بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي	باتوں میں آزمایا تو اس نے وہ پوری
جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۔ (بقرہ: ۱۲۴)	کردیں، فرمایا میں تم کو لوگوں کا امام بنانیوالا ہوں۔

اسی طرح آدم علیہ السلام کی آزمائش جنت والے درخت سے ہوئی۔ نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں آزمایا گیا اور ساتھ ہی تنبیہ بھی فرمائی گئی کہ :-

إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ	میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ جاہلوں
مِنَ الْجَاهِلِينَ (ھود: ۴۶)	میں سے مت ہو۔

چنانچہ نوح علیہ السلام نے توبہ و استغفار کیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے :-

وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ	اور داؤد نے گمان کیا کہ ہم نے
فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ (ص: ۲۴)	اس کو آزمایا ہے، پس اس نے فوراً اپنے رب سے مغفرت مانگی۔

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی نسبت ارشاد ہے :-

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ وَأَلْقَيْنَا	ہم نے سلیمان کو آزمایا اور ڈالدیا
عَلَىٰ كُرْسِيِّهِ جَسَدًا ثُمَّ	اس کے تخت پر ایک دھڑ پھر

آفتاب (ص: ۴۴)   وہ ہماری طرف متوجہ ہوا۔

حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی آزمائش کی تفصیل یہود کے صحیفوں میں مذکور ہے۔ حضرت مسیحؑ کے ابتلار کی تفصیل آگے آئے گی۔ حضرت یوسفؑ کی سرگزشت امتحان پوری تفصیل کے ساتھ قرآن مجید میں بیان ہوئی ہے۔ حضرت ایوبؑ کے شکوے سفر ایوب میں دیکھو۔ حضرت یحییٰؑ کی آزمائش ان کے قتل سے ہوئی۔

یہ باتیں سب کو معلوم ہیں۔ اور اگر بعض انبیار کی آزمائشوں کی تفصیل نہیں معلوم ہے تو اس سے یہ نہیں گمان کرنا چاہیئے کہ ان کی زندگیاں آزمائشوں سے خالی ہیں بلکہ ان کی زندگیوں کو بھی اسی عام اور ہمہ گیر کلیہ کے تحت سمجھنا چاہیئے جو خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اور اس مضمون کی دوسری آیات میں بیان ہوا ہے۔

اس حقیقت کے باوجود کہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام خشیتِ الٰہی کی شدت اور اپنی امت کی کمزوری کی وجہ سے برابر آزمائشوں سے پناہ مانگتے رہے۔ ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوں تو ان کی ساری زندگی ہی آزمائشوں کا ایک طویل سلسلہ ہے لیکن آخر میں چالیس دن تک اللہ تعالیٰ نے ان کا جو کڑا امتحان لیا وہ نہایت سخت تھا۔ اسی آزمائش کے بعد ان کو اٹھایا گیا اور زمین کے فتنوں سے ان کو نجات بخشی گئی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے:۔

اِنِّيْ رَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ   میں تم کو اپنی طرف اٹھانیوالا ہوں اور
مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (آل عمران: ۵۵)   کافروں سے تم کو نجات دینے والا ہوں

اسی طرح اُن کی اُمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے طرح طرح کی آزمائشوں میں ڈالا اور جو ان میں اہلِ ایمان نکلے ان کو راہِ حق پر ثابت قدم رکھا۔ سورہ بروج میں اس بات کی طرف اشارات موجود ہیں اور تاریخ تو ان کی آزمائشوں اور ان کے صبر و استقامت کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔

دعا کے اس فقرہ کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس ہولناک فتنہ کو دیکھ لیا تھا جو آپ کے لئے اور آپ کی اُمت کے لئے منہ کھولے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کی پوری تصویر سامنے لانے کے لئے ان واقعات کو یاد کرنا چاہیئے جو آپ کی اُمت کو پیش آئے اور جن کا نتیجہ بالآخر یہ ہوا کہ حضرت نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے سوا ان کی نجات کی کوئی صورت ہی اور باقی نہیں رہ گئی۔

اور یہ جو حضرت مسیحؑ نے فرمایا کہ "ہمیں شر سے نجات دے" تو ان کی یہ دعا قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نجات دی اور جس طریقہ سے انھوں نے نجات مانگی تھی اس سے بہتر طریقہ پر نجات دی۔ لیکن اس امر کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ طلب نجات کے ساتھ ساتھ مرضی الٰہی پر بھی پوری طرح راضی تھے اور یہی اصل دولت جاودانی ہے۔ انجیل کا وہ منظر میری چشم تصور کے سامنے ہے جبکہ حضرت مسیح علیہ السلام کوہ زیتون پر مقام جسمین میں حواریوں سے بالکل الگ تھلگ ہو کر اللہ کے حضور گریہ و زاری کے ساتھ یہ دعا کر رہے ہیں کہ "اے خداوند! یہ پیالہ مجھ سے ہٹا لے، تو ہر بات پر قادر ہے، لیکن میں اپنی مرضی پر تیری مرضی کو ترجیح دیتا ہوں پس تیری مرضی پوری ہو" (مرقس باب ۱۴: ۳۶) آپ نے حواریوں کو بھی حکم دیا کہ وہ دعا میں شریک ہوں لیکن وہ سو گئے آپ بار بار ان کے پاس ان کو جگانے کیلئے آتے اور پھر پلٹ کر دعا اور مناجات میں سرگرم ہو جاتے۔

وہ ساعت بھی میری نگاہِ تخیل کے سامنے ہے جب تمام اسباب و وسائل کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور آپ پکار اٹھتے ہیں کہ "خداوند! خداوند! تونے کیوں مجھے چھوڑ دیا؟" وہ وقت بھی قابلِ لحاظ ہے جب کہ موت کا پیالہ ان کے ہونٹوں سے لگ جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ہٹا دیتا ہے اور ان کو اٹھا کر کافروں سے ان کو نجات بخشتا ہے۔

اسی طرح ان کی امت کے ان اہلِ ایمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے نجات دی جو اس آخری نبی پر ایمان لائے جس کی بعثت کی انھوں نے خوشخبری دی تھی اور آیندہ بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے وہ نجات پائیں گے۔

اپنی امت کے مخلصین کے بارے میں آپ کی دعا مقبول ہوئی۔ وہ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوئے اور آیندہ بھی داخل ہوتے رہیں گے لیکن ظالموں کے بارہ میں جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعا قبول نہیں ہوئی، اسی طرح آپ کی دعا بھی نہیں ہوئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعا اور اس کا جواب قرآن مجید میں یوں مذکور ہے:-

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ (البقرہ: ۱۲۴)

پوچھا اور میری اولاد میں سے؟ فرمایا میرا عہد ان لوگوں کو شامل نہیں ہے جو ظالم ہیں۔

یہ تفصیل ہوئی ان کے دعا کے اس فقرہ کی کہ "ہم کو فتنہ میں نہ ڈال اور شر سے نجات دے"۔ یہاں اس حقیقت کو واضح کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ فقرہ توضیح مزید ہے اس فقرہ کی کہ "ہماری روز کی روٹی ہمیں روز دیا کر" کیونکہ روٹی سے مراد جیسا کہ بیان ہوا، روح قدس

اور روح ہدایت ہے۔ ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی اس کو اس نے ہر قسم کے فتنہ
اور ہر قسم کے روحانی شر سے نجات بخشی۔ پس یہ اصل ہدایت کی دعا ہے۔ پھر بعد کی توضیح سے
انھوں نے یہ بات واضح فرمادی کہ اس زندگی کا دروازہ تنگ اور اس کا راستہ تنگ ہے
جس سے یہ بات صاف ہوگئی کہ اس سے مراد وہ ہدایت الٰہی ہے جس کو انبیا علیہم السّلام
لیکر آئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ دعا در اصل شریعت کے اہتمام اور اس فتنۂ ضلالت کے
سدِ باب کے لئے تھی جس کا آپ کو اپنی اُمّت کے بارہ میں اندیشہ تھا اور جس کی ایک عبرت انگیز
مثال یہود کی زندگی میں موجود تھی کہ خود مسیح علیہ السّلام کی نبوت ان کے لئے قبول حق کی
راہ میں ایک پتھر بن گئی جیسا کہ انجیل میں بھی اس کی تصریح ہے اور قرآن نے بھی اس کی
طرف اشارہ فرمایا ہے:-

وَلَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ
اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ
رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَآءَهُمْ
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى
اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا
وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ، وَحَسِبُوْٓا
اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا
وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ

اور ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا
اور ان کی طرف رسول بھیجے۔ جب آیا
کوئی رسول ایسی باتیں لیکر جو ان کی
خواہشوں (بدعات) سے میل نہ کھاتی
تو ایک گروہ کا انھوں نے انکار کر دیا
اور پھر ایک جماعت کو وہ قتل کرتے
رہے اور انھوں نے گمان کیا کہ کوئی
فتنہ نہ ہوگا، پس اندھے بہرے بن گئے

عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۔ (المائدہ: ۷۰-۷۱)

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی پھر اندھے بہرے بن گئے ان میں سے بہت

ٹھیک اسی طرح ہمارے اس سورہ فاتحہ میں "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کے الفاظ اس طریق ہدایت کی توضیح کر رہے ہیں جس کا ذکر اوپر "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" میں گذر چکا ہے اور یہ غایت درجہ اہتمام ہے اس ہدایت کے لیے جس میں ایک اُمت بھٹک چکی ہے اور ایک امت خدا کے قہر و غضب کی مستحق ٹھہر چکی ہے اور چونکہ قرآن مجید ایک واضح ترین کتاب ہے اس لئے اس اجمال کی بھی اس نے ایسی وضاحت فرما دی ہے جس کے بعد کسی شبہہ کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے ۔